R. No. 2186/57 Regd. No. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 50
Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۲ - شمارہ ۴ | ایڈیٹر آل احمد سرور | علی گڑھ - ۲۲ جنوری ۱۹۶۳ء

محمد انصار اللہ نظر

تذکرۂ سرور

اردو شعرا کا ایک نہایت مبسوط تذکرہ تیرھویں صدی ہجری کے نصف اول میں نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں بہادر المتخلص بہ سرور نے تالیف کیا۔ امتداد زمانہ سے یہ تذکرہ نایاب ہو گیا حالانکہ بقول لالہ سری رام "غدر سے پہلے بہت مشہور تھا"
(خم خانۂ جاوید صفحہ ۱۰۱/۴)

مارچ ۱۹۶۱ء میں پروفیسر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے نہایت خوبیوں کے ساتھ اس تذکرہ کو ادبی پرنٹنگ پریس بمبئی سے طبع کرا کر شائع کر دیا ہے۔ یہ مطبوعہ نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن کے مخطوطہ سے نقل کیا گیا ہے اور ۹۹۰ شعرا کے حالات پر مشتمل ہے۔ محمد سردار علی صاحب نے کسی دوسرے قلمی نسخہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"عمدۂ منتخبہ مولفہ نواب میر محمد خاں سرور یہ نہایت ضخیم تذکرہ ہے۔ اس کا سن تالیف ۱۲۲۱ھ ہے۔ اس میں تقریباً بارہ سو اردو شعرا کے حالات ہیں۔ یہ تذکرہ قلمی ہے۔"
(یورپ میں شعرائے اردو مطبوعہ نظام دکن پریس حیدرآباد ۱۳۳۱ھ صفحہ ۴۶)

گارساں دتاسی نے ۳ دسمبر ۱۸۵۴ء کے خطبہ میں اس کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

"عمدۂ منتخبہ ... غالباً ۱۲۲۳ھ میں لکھا گیا تھا ... یہ تذکرہ فارسی میں ہے اور اس میں بہت سے شعرا کا ذکر ہے جن کی تعداد ہزار ... بارہ سو کے درمیان ہے۔"
(خطبات گارساں دتاسی اردو صفحہ ۸۵)

اس پر حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے:

"تذکرہ میں یہ سنہ تالیف صحیح طور پر نہیں بتایا گیا۔ اس کی تالیف کے متعلق ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۱۶ھ دونوں سنوں کے تاریخی مادے موجود ہیں۔ ایک مادے سے ۱۲۲۲ھ بھی نکلتا ہے۔ یہ شاید اختتام تالیف کا سنہ ہے یا شاید نسخے کی کتابت کا۔ ڈاکٹر اسپرنگر کا نوٹ یہ ہے کہ ۱۲۲۰ھ کے بعد کا کوئی سن کتاب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ تذکرہ اسی سن میں یا اس کے بعد کے سن میں تالیف ہوا۔"

مولوی عبد الحق مرحوم لکھتے ہیں:

"میرا نسخہ نہم محرم الحرام ۱۲۲۳ھ کا مکتوب ہے جس کو عاشق نے اعظم الدولہ مولف تذکرہ کے حکم سے لکھا تھا۔" (خطبات گارساں صفحہ ۸۵ حاشیہ)

خواجہ صاحب نے اس تذکرہ کے شروع میں ایک مختصر سا مقدمہ بھی شامل کیا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کے زمانۂ تالیف سے جو بحث کی ہے وہ نہایت مختصر ہے اور اس سے بات پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔ موصوف نے "سحر سیارہ" تالیف سرور کے دیباچہ کے ایک اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

"سرور ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء سے پہلے اپنا دیوان اور تذکرہ مرتب کر چکے تھے۔" (مقدمہ صفحہ ۱۴)

اس کے بعد ترمیم کی عبارت دو جگہ نقل ہے:

"الحمد کہ بفضل ایزد متعال این نسخہ نہم محرم الحرام ۱۲۲۴ھ موافق سنہ جلوس میمنت مانوس (---) حضرت محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ صورت اختتام پذیرفت" (مقدمہ صفحہ ۱۵)

اور دوسرے موقع پر یہی عبارت نقل ہوئی تو اس میں قدرے

فرق ہوگیا یعنی:

"... موافق سنہ جلوس مبارک حضرت بادشاہ
جم جاہ (—) ظل اللہ..." (مقدمہ صلہ)

تعجب ہے کہ یہ فرق کیونکر ممکن ہوا، پھر دونوں ہی جگہوں پر بادشاہ کے سالِ جلوس کے اعداد محذوف ہیں شاید پڑھے نہ گئے چنانچہ سالِ ہجری سے اس کی مطابقت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس (نسخۂ لندن) کا روز کتابت وہی ہے جو مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کے نسخہ کا ہے مطبوعہ نسخہ میں مختلف مادہ ہائے تاریخ درج ہیں، ان میں سب قدیم مثنون کا ہے۔ "یہ ہے معیار نقد سخن"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تالیف تذکرہ کا کام ۱۲۱۵ھ سے پہلے یا اسی سال شروع ہوگیا تھا، اس کے بعد سعید نے "عمدۂ منتخبہ" سے تاریخ نکالی اور یہی اس کا تاریخی نام مقرر ہوا جس سے اس کا زمانۂ تکمیل ۱۲۱۶ھ معلوم ہوتا ہے پھر ۱۲۲۸ھ، ۱۲۱۹ھ، ۱۲۳۰ھ وغیرہ کے مادہ ہائے تاریخ بھی ملتے ہیں۔

۱۲۱۹ھ میں بقول سرور یہ تذکرہ قاسم مولف مجموعہ نغز نے دیکھا اور اس سے اپنے تذکرہ کی تالیف میں مدد لی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں بہت بعد تک بھی اضافے ہوتے رہے، اس کا اعتراف خود سرور کو بھی ہے جو "سبع سیارہ" میں ۱۲۳۶ھ میں لکھتے ہیں:

"چوں دریں ایام از تدوین طبع زاد خود و تالیف
تذکرہ بجۂ گویان فراغ حاصل شد"

اور سردار علی صاحب نے اپنے نسخہ کو ۱۲۳۲ھ کی تالیف ہی بتایا ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ (نسخۂ لندن) جس سے خواجہ صاحب نے مطبوعہ نسخہ نقل کیا فی الحقیقت کس زمانے کی تالیف ہے، اس سلسلے میں ہمیں داخلی شہادتوں پر غور کرنا ہے۔

نواب الٰہی بخش خاں معروف کے سلسلۂ حالات میں یہ الفاظ غور طلب ہیں:

"شخص بسیار خوش اختلاط خوش فکر در فن
سپاہ گری بسیار ماہر" (ص۲۹۲)

ان لفظوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک معروف بالکل ضعیف نہ ہوئے تھے اور "ترک دنیا" بھی اختیار نہ کیا تھا، جیسا کہ آخر عمر میں کیا (سراپا سخن ص۲۰۶، گلستان بے خزاں ص۱۹۲ وغیرہ) مجموعہ نغز میں معروف کے دیوان کا ذکر ہے مگر سرور نے اس کا اشارہ بھی نہیں کیا، معلوم ہوتا ہے کہ معروف کے حالات سرور نے پہلے ہی لکھ لیے تھے لیکن اشعار کا اضافہ بعد تک کرتے رہے چنانچہ "تسبیح زمرد ایضاً معروف" (ص۲۹۲) کے عنوان سے بھی معروف کے کافی اشعار کا اضافہ کیا ہے، تسبیح زمرد کی تاریخ ذوق نے کہی۔ "طرفہ تسبیح زمرد آورد"
۱۲۳۶ھ
(دیوان ذوق مرتبہ آزاد)

یہ انتخاب اشعار بھی ظاہر ہے کہ ۱۲۳۶ھ کے بعد کیا گیا ہوگا۔

میرزا ابوظفر ظفر کے حالات میں ان کو "ولی عہد" کہا ہے، اور جہاں بھی ان کا نام آیا ہے انھیں "ولی عہد" ضرور لکھا ہے۔ اکبر شاہ ابتداءً شاہزادۂ جہانگیر اور شاہزادہ سلیم کی ولی عہدی کے لئے کوشاں تھے (مقدمہ دیوان ذوق مرتبہ آزاد) اس کا ذکر ۱۸۰۶ء مطابق ۱۲۲۲ھ میں چارلس شکاف نے اس طرح کیا ہے:

(ظفر) شاہزادوں میں سب سے زیادہ معزز اور لائق ہے وہ اپنے والد کی محبت کا سب سے زیادہ حقدار ہے باوجودیکہ بادشاہ (اکبر شاہ) اس کو حق بادشاہی سے محروم رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ فرزندانہ سعادت سے کبھی گریز نہیں کرتا۔ (بہادر شاہ ظفر بحیثیت بادشاہ اور انسان از جی ڈی ٹی، آجکل ظفر نمبر نومبر ۶۲ء)

ولی عہدی کا قضیہ شاہزادہ جہانگیر کی وفات کے بعد طے ہوا جو ۱۲۳۶ھ کا واقعہ ہے۔

شد عیاں ایں مصرعہ از ترکیب آہ حیف بے رونق الہ آباد گشت
۶ + ۱۲۳۰ = ۱۲۳۶ھ

تذکرۂ سرور کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ظفر کی شاعری ابتدائی مدارج طے کرچکی تھی ان کے ایک مصرعہ کو امی نے مقطع میں تضمین بھی کیا ہے ؎

ظفر کا قول مجھ کو یاد ہے میں گرچہ ہوں امی
جو دانا ہیں نہیں وہ بے سبب ضد دانہ رکھتے ہیں (ص۱۹)

اتنا ہی نہیں بلکہ ظفر کے ایک شاگرد فرخی کا ذکر بھی اسی تذکرہ سے ملتا ہے۔ (ص۲۷۷)

اس کے علاوہ ظفر کے اشعار جو تذکرۂ سرور میں نقل ہوئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔

نعل شکل مہ نو جب ترے توسن کو لگے
چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے

اسی زمین میں ذوق کی غزل کے شعر بھی تحریر ہیں، دیوان ذوق کے مرتبین نے اس مطلع کو بھی ذوق کی غزل میں شریک کرلیا ہے حالانکہ گلشن بے خار اور گلستان بے خزاں میں یہ ظفر ہی کے نام سے درج ہے، یہ الگ بحث ہے کہ یہ مطلع ظفر کا ہے یا ذوق کا لیکن اتنی بات ماننی پڑتی ہے کہ یہ اس زمانے میں کہا گیا جب ذوق اور ظفر میں رابطہ قائم ہوچکا تھا۔

ذوق کے حالات کا مطالعہ بھی اہمیت سے خالی نہیں۔ سرور نے ان کے متعلق کافی وضاحت سے رائے دی ہے لیکن مطبوعہ نسخہ میں تین جگہ سے عبارت میں "حذف" ہونے کے سبب سرور کی پوری رائے دریافت نہ ہوسکی البتہ وہ لکھتے ہیں:

"ذوق تخلص شیخ محمد ابراہیم شاگرد حافظ غلام رسول
شوق جوانے ست باشندۂ دارالخلافہ" (ص۲۸۱)

اس موقع پر "مجموعہ نغز" کی یہ عبارت بھی قابل ذکر ہے:

"ذوق تخلص نوشتنی ست از شاگردان محمد نصیرالدین
نصیر گاہ گاہ در مجلس شعرا حاضری شود" (ص۲۸۵)

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

ہماری زبان

۲۲ جنوری سنہ ۱۹۶۳ء

یومِ جمہوریت

ایک ہوں ہندی وطن کی پاسبانی کے لئے

۲۶ جنوری ہمارے پرانے ملک اور نئی قوم کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسی دن ہم نے تیرہ برس پہلے یہ طے کیا تھا کہ ہم جمہوریت کو اپنائیں گے، حکومت کو مذہب سے کوئی سروکار نہ ہوگا، اور تمام شہری بلا اختلاف مذہب، نسل، زبان، جنس، مساوی حقوق کے مالک ہوں گے۔ اس کے بعد ہم نے سوشلزم کو منزلِ مقصود بنایا۔ گویا جمہوریت، غیر مذہبی ریاست کا تصور اور سوشلزم ہماری بنیاد یا اساس ہیں۔ تیرہ برس کے عرصے میں ہم ترقی اور خوش حالی کی منزل کی طرف نمایاں طور پر بڑھے ہیں گو ترقی کی رفتار ہماری خواہش کے مطابق ابھی تک نہیں ہو سکی۔ اس عرصے میں ہم نے تین بڑے چناؤ کئے، دو پنج سالہ منصوبے پورے کئے اور تیسرے میں قدم رکھا، پڑھے لکھوں کی تعداد میں خاصا اضافہ کیا، نئی نئی یونیورسٹیاں وجود میں آئیں، بہت سے صنعتی ادارے کھلے، کئی بڑے دریاؤں پر بند باندھے گئے، بجلی کی طاقت میں اضافہ ہوا، فولاد کی پیداوار کہاں سے کہاں پہنچ گئی، چھوٹی چھوٹی بہت سی صنعتیں شروع ہو گئیں۔ بہت سے معاملات میں ہم خود کفالتی کی طرف قدم بڑھانے لگے۔ موٹر تو پہلے ہی تیار ہوتے تھے، ہوائی جہاز بھی بنائے جانے لگے۔ قومی زبانوں کو ترقی کے مواقع ملے، اقلیتوں کے حقوق کا اعتراف شروع ہوا۔ ہماری امن پسندی کی وجہ سے دنیا کے جھگڑے کچھ کم ہوئے اور ہماری مل کر رہنے کی پالیسی مقبول ہونے لگی۔ ہم نے عالمگیر جنگ کے بادلوں کو بڑھنے سے روکا اور اپنے یہاں آمدنی میں بہت اونچ نیچ کو کچھ کم کرنے کی کوشش کی۔ یہ ریکارڈ ہر معیار سے قابلِ تعریف ہے۔

مگر یوم جمہوریت کے موقع پر ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی کامیابیوں پر فخر و مسرت ہی کا اظہار نہ کریں بلکہ ایمانداری سے اپنی کمزوریوں کا بھی جائزہ لیں۔ ابھی ہم میں کئی کمزوریاں ہیں۔ ہم نے ابھی قوم کے مفاد کو ذاتی اور جماعتی مفاد پر ترجیح دینا نہیں سیکھا۔ ہمیں ابھی ہندو مسلم اختلافات، شمال جنوب کے جھگڑوں، لسانی تعصبات سے بالکل پاک ہونا نہیں آیا۔ ہم سیاسی پارٹیوں کو ذرا سی ہل چل کے موقع پر اپنی مقبولیت کی جستجو کرتے دیکھتے ہیں۔ ہم چناؤ کے موقع پر بھی ذات اور برادری کا لحاظ رکھتے ہیں، ہم اب بھی سب قومی زبانوں کو یکساں ترقی کے موقعے نہیں دیتے۔ مثلاً اردو کے سلسلے میں ابھی تک انصاف نہیں ہوا ہے اور اس کی تعلیم اور چلن میں دشواریاں چلی آتی ہیں۔ گو اوپر کی منزل پر ہمدردی ہوتی ہے مگر نیچے اکثر روز مرہ زندگی میں اس سلسلے میں تنگ نظری کا مظاہرہ اب بھی ہوتا ہے۔ ہم دوسروں کی باتوں میں آجاتے ہیں اور اپنے فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم چین کی چکنی چپڑی باتوں پر اعتبار نہ کرتے اور اپنی آنکھیں کھلی اور ذہن صاف رکھتے تو ہم وہ ٹھوکر نہ کھاتے جو اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء میں کھانی پڑی۔ نہ اتنی جانیں جاتیں، نہ اتنا مالی نقصان ہوتا، نہ ہماری اتنی ذلت ہوتی۔ اب اس کا امکان ہے کہ سرحد کے سلسلے میں کوئی ایسا سمجھوتہ ہو جائے جو باعزت کہلا جا سکے لیکن سمجھوتہ ہو یا نہ ہو، ہمیں ملک کی طاقت بڑھانا ہے فوج کو جدید آلات سے مسلح کرنا ہے، اپنی دھرتی کے ہر انچ کو واپس لینا ہے۔ اس وقت جو جوش اور جذبہ ہے اس سے پورا پورا کام لینا ہے اور یہ عہد کرنا ہے کہ اب قوم کی مضبوطی اور ترقی کی راہ میں ہر دقت اور رکاوٹ کو دور کر کے دم لیں گے۔ اس کے لئے جہاں مادی وسائل بڑھانے کی ضرورت ہے وہاں سب سے زیادہ ذہنی حیثیت سے چھوٹے موٹے مسائل سے بلند ہو کر قوم کی عزت، نیک نامی، ترقی اور خوش حالی کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہونا ہے۔ ہم باتیں بہت کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان باتوں کو عمل میں لانے کی قوت کم ہو جاتی ہے۔

سوامی وویکانند نے جہاں انسانیت کو اور پیام دیئے وہاں ایک پیام یہ دیا کہ کام مقدس ہے اور خدا کو خوش کرنے کے لئے خلقِ خدا کی خدمت کا مشن اپنانا چاہئے۔ ٹیگور نے کہا تھا کہ خدا نے مندر کے دروازے پر بچوں کو مٹی میں کھیلتے دیکھا۔ وہ اس نظارے میں ایسا محو ہوا کہ پجاری کا عبادت کرنا نہ دیکھ سکا۔ تمام مذاہب نے خلقِ خدا کی خدمت پر زور دیا ہے، ہم کو اس کام کا آغاز گھر سے کرنا چاہیے یعنی سب سے پہلے ہر ہندوستانی یہ عہد کرے کہ وہ اپنے دائرے میں دوسرے ہندوستانیوں کی خدمت کرے گا، اپنے فرائض کو پہچانے گا اور اپنا بڑے سے بڑا نقصان قوم کے چھوٹے سے چھوٹے فائدے کے لئے گوارا کرے گا۔ چین کے جارحانہ حملے کے بعد جو یکجہتی کی فضا پیدا ہوئی ہے وہ اچھا شگون ہے۔ کبھی کبھی خرابی سے خوبی بھی نکل آتی ہے، ایک ٹھوکر سے انسان جاگ بھی اٹھتا ہے۔ اگر اس چوٹ کی وجہ سے ہم ایک ہو کر ملک و قوم کی خدمت کر سکیں اور اس کے چھوٹے موٹے اختلافات کو پس پشت ڈال سکیں تو اس آزمائش کے دور سے ہم اور طاقت ور ہو کر نکلیں گے۔ اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کے لئے، اپنا احتساب کرنے کے لئے، نئے عزم اور ولولے کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہونے کے لئے، ۲۶ جنوری کا مبارک دن، ہمیں دعوت دے رہا ہے۔ دوسروں پر اعتراض کر کے ہم آج کی کشمکش کے دور میں سرخرو نہیں ہو سکتے۔ ہمیں اپنا فرض ہر حال بجا لانا ہے۔

انجمن ترقی اردو دہلی

۱۲ جنوری کو انجمن ترقی اردو کی شاخ دلی کا ایک مخصوص ادبی جلسہ ہوا۔ اردو کے مشہور محقق قاضی عبدالودود صاحب نے جلسے کی صدارت کی۔ بہار برنی نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ہیرو کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا جس میں انھوں نے اس پہلو پر خاص طور سے روشنی ڈالی کہ جن مجاہدوں نے "اٹھارہ سو ستاون" کے موقع پر بڑی اولوالعزمی سے انگریز سامراج کا مقابلہ کیا تھا ان کے متعلق اب تک ہمارے مورخوں نے باضابطہ تحقیقی کام نہیں کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جنرل بخت خاں، نانا صاحب، عظیم اللہ خاں اور بہت سے شہیدوں کے متعلق معلومات فراہم کرکے ایک اچھی کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔

مشیر جھنجھانوی صاحب نے چینی حملے کے خلاف ایک نظم "رنگ چمن" پیش کی۔ نریش کمار شاد، حکیم خلیل الرحمٰن ناز گلزار دہلوی، جمال بھارتی اور فلک دہلوی نے اپنا کلام سنایا۔

جنرل سکریٹری نے قاضی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اعلان کیا، ۱۵ فروری کو یوم غالب کے موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوگا۔ مشاعرے کے لیے مصرع طرح قاضی صاحب نے تجویز کیا:

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

(اسسٹنٹ سکریٹری)

راز یزدانی کی اچانک موت

یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ۱۲ جنوری کو رام پور میں اردو کے مشہور شاعر احمد ولی خاں راز یزدانی کا قلب کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے اچانک انتقال ہوگیا۔ مرحوم کئی سال سے قلب کے مریض تھے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۴۵ سال تھی۔ (نامہ نگار)

اردو ایسوسی ایشن مدراس

۱۳ جنوری کو اردو ایسوسی ایشن مدراس کا سالانہ عام جلسہ ہوا۔ محمد امین الدین حسین صاحب خورشید نے صدارت فرمائی۔ پروگرام کے تحت معتمد ایسوسی ایشن راجی صدیقی نے سالانہ رپورٹ پیش کی جو بالاتفاق منظور کی گئی۔ اس کے بعد سال رواں کے لیے عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ (سید محمد یوسف ہمایوں ناظم نشر و اشاعت اردو ایسوسی ایشن)

تصحیح

ہماری زبان مورخہ ۸ جنوری میں ایک خبر رسالہ "نور" کے سلسلے میں شائع ہوئی تھی جس کا نئی دہلی سے منور لکھنوی، زبیر رضوی اور نریندر تخیل کی ادارت میں اجرا ہوا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس خبر میں کچھ کا پتہ غلط چھپا ہے۔ صحیح پتہ یہ ہے: A-۱۲/۱۲ ویسٹرن ایکسٹنشن ایریا نئی دہلی۔

انجمن ترقی اردو راجستھان

۱۳ جنوری کو مسلم مسافر خانہ جے پور میں انجمن ترقی اردو راجستھان کا اجلاس زیر صدارت الطاف احمد صاحب خیری منعقد ہوا جس میں پرائمری درجوں میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنوانے کے مسئلے پر غور کیا گیا۔ کیونکہ اس سلسلے میں حکومت راجستھان کا صاف حکم جاری ہو جانے کے باوجود اب تک اس پر عمل نہیں ہوا ہے۔ نہ پورے مضامین کہیں اردو میں پڑھائے جاتے ہیں نہ ذریعہ تعلیم کسی جگہ اردو ہے۔ اور ایسے اسکولوں کی ایک بڑی تعداد ہے کہ جن میں حکومت کی منظور کردہ تعداد طلبہ موجود ہونے کے باوجود کوئی انتظام کسی قسم کا اردو کی بابت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ایک سب کمیٹی کی تشکیل کی جاکر اسکی فوری رپورٹ طلب کی گئی۔

راجستھان کی مقامی شاخوں کی تنظیم کے سلسلے میں۔ چوں کہ حسب ذیل مقامات پر شاخیں، قطعاً بے وجود ہیں یا یہ کہ بالکل بے عمل لہذا ان کا الحاق انجمن ہذا سے منسوخ کیا گیا۔

(۱) اجمیر (۲) باڑی (۳) پالی (۴) بھیلوڑہ (۵) چتوڑ گڑھ (۶) چورو (۷) بسالی (۸) سانبھر (۹) سوائی مادھوپور (۱۰) بھیکری (۱۱) شاہپورہ (۱۲) لال سوٹ (۱۳) بوسل (۱۴) نیمبھیڑہ (۱۵) ہنڈون۔

نیز چونکہ حسب ذیل شاخوں نے باوجود انقضائے مدت مقررہ انجمن ہذا کی نہایت ضروری گشتی نمبری (۴) مورخہ ۹/۱۲/۶۲ کا کوئی جواب نہیں دیا لہذا ان سے دریافت کیا جائے کہ ایسی ضروری گشتی کا جواب نہ دینے کی کیا وجہ ہے۔ کیوں نہ ان کا الحاق منسوخ کر دیا جائے۔

(۱) اودری کلاں (۲) بھیلواڑہ (۳) ٹونک (۴) فتح پور (۵) منوہر پور (۶) ناگور (۷) اسلام پور (۸) اودے پور شیخاواٹی (۹) جھمیم سر (۱۰) جاباسر (۱۱) جھانجھوٹ (۱۲) دھنوری (۱۳) سرباسر (۱۴) منڈاوہ (۱۵) منڈریلہ (۱۶) نوا (۱۷) نول گڈھ (۱۸) کچامن (۱۹) بدیت سر۔

راجستھان میں کہیں بھی ایم اے کلاسوں میں اردو نہیں ہے جس کی بابت دو سال سے انجمن ہذا افسران متعلقہ کو برابر توجہ دلا رہی ہے۔ اور مرکزی انجمن نے بھی اس سلسلے میں راجستھان یونیورسٹی سے خط کتابت کی ہے مگر ہنوز روز اول ہے۔ لہذا اس بابت ہز ہائنس جناب نواب صاحب لوہارو سے استمداد کی گئی۔ اور موصوف نے اقرار فرمایا کہ وہ کوشش فرمائیں گے۔ (نامہ نگار)

انگریزی سیکھنے کی ایک مفید کتاب

برطانیہ کے محکمۂ اطلاعات نے انگریزی سیکھنے کے سلسلے کی ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا نام "انگریزی الفاظ کی گرامر" ہے۔

اس کتاب میں ایک ہزار ایسے الفاظ چنے گئے ہیں جن کو استعمال کرنے میں طلبہ کو عام طور پر مشکل پیش آتی ہے۔ لانگمینز، گرین اینڈ کمپنی اور انگلش لینگویج بک سوسائٹی نے یہ کتاب شائع کی ہے۔

وقت کام کا ہے
باتوں کا نہیں

بسمل سعیدی

جنگ و امن

جنگ زبونِ وحشت و دوں، جنگ قتال و کشت و خوں
جنگ درندگی کی خو، خوئے درندگی جنوں
جنگ برائے جنگ کا کوئی جواز ہی نہیں
جنگ فساد بر زمیں، جنگ خلافِ عقل و دیں
جنگ وہ کچھ سہی مگر جنگ ہو ناگزیر اگر
جنگ ہے عینِ عقل و دیں جنگ سے جب ہو مفر
جنگ کی شرح و بسط میں حسنِ تضاد بھی تو ہے
جنگ فساد ہے اگر جنگ جہاد بھی تو ہے
مسئلۂ قتال میں نکتۂ خاص بھی تو ہے
قتل حرام ہے اگر قتل قصاص بھی تو ہے
جنگ برائے جنگ اگر ہو تو وہ جنگ قہر ہے
جنگ برائے امن اگر ہو تو وہ جنگ مہر ہے
کون یہاں ہے جنگ جو کون یہاں ہے جنگ خو
پہلے ہی سرو ہے لہو سُن کے ولا تقاتلوا
کس کو جنونِ جنگ تھا کس کو خیالِ جنگ ہے
ہاں مگر اب سکوت بھی موجبِ عار و ننگ ہے
اب کہ عدوئے دین و دھرم دشمنِ بے شعور و شرم
ڈال رہا ہے سوئے ہند اپنی نگاہ تیز و گرم
اب کہ وطن اور آبروئے اب کہ چمن یہ رنگ و بو
اب کہ تمام کاخ و کو اب کہ من و شما و تو
خطرۂ بے پناہ میں خطرۂ بے اماں میں ہیں
خطرۂ بے اماں میں ہیں نرغۂ دشمناں میں ہیں
اب کہ عدوئے جابر و جارح پہ جفا و جور
ہم سے بدت رہا ہے اور حیلہ و مکر و فن کے طور
الحذر الحذر اے جنگ رحمت فوج الحفیظ
زیرِ سکوت سطحِ بحر شدتِ موج الحفیظ
جذبۂ مہر دل میں اب آتشِ سنگ کیوں نہ ہو
نغمۂ ساز امن اب نعرۂ جنگ کیوں نہ ہو
جنگ سے خود ہی کھل گیا عقدۂ رازِ جنگ و قتل
وقت سے ہم کو مل گیا حکمِ جوازِ جنگ و قتل
اپنے وطن کے واسطے ہم پہ جہاد فرض ہے
جان وطن کی ہے یہ جان ہم پہ وطن کا قرض ہے
موت ہے لازمی تو پھر کوئی شہید کیوں نہ ہو
نوحۂ مرگ کی صدا نغمۂ عید کیوں نہ ہو
ہم کہ ہیں آفتابِ صبح گرم مزاج و نرم خو
آگ میں سوز جس طرح پھول میں جس طرح ہے بو

آب رواں بھی ہیں ہمیں تیغِ رواں بھی ہیں ہمیں
ابرِ بہار بھی ہمیں برقِ جہاں بھی ہیں ہمیں
قہر بھی مہر بھی ہمیں صلح بھی جنگ بھی ہمیں
موم بھی سنگ بھی ہمیں صلح بھی جنگ بھی ہمیں
ہم سے کوئی ملے تو ہم مہر و محبتِ تمام
ہم سے کوئی لڑے تو ہم زہرِ ہلاکتِ دوام

(قومی جنگ کا ادبی محاذ)

نکہت بریلوی

"جنوں شناسائے رنگ و بو ہے"

طلب وہ سیالِ آتشیں ہے
کہ ڈوب کر دل کبھی نہ ابھرے
وہ دشتِ تاریک ہے جہاں گم
ہوا ہے ہر قافلہ وفا کا
وہ منزلِ بے نشاں ہے جس تک
تصورِ کارواں نہ پہنچے
سفینے اس بحرِ بیکراں میں
ہزارہا غرق ہو گئے ہیں
یہ راستے خار و خشت کے ہیں
یہاں بہت دور تک مسلسل
لطافتِ کہکشاں نہیں ہے
مجھے خبر ہے، میں جانتا ہوں
مآلِ دل رفتگی کا لیکن
لہو میں شغلِ جستجو ہے
جنوں شناسائے رنگ و بو ہے

غزلیں

افسر (سیمابی)

تھی اہلِ غم کو تمنائے روشنی جن سے
وہی چراغ اندھیروں کے پردہ دار ملے
دیارِ بادہ سلامت کہ اس زمانے میں
یہیں مذاقِ وفا کے گناہ گار ملے
ہجومِ یاس میں تھا میں جس قدر ہی
تمام خونِ محبت سے داغدار ملے
بہار ہو کہ خزاں فیضِ عشق جاری ہے
مجال کیا جو گریبان میں ایک تار ملے

راشد اللہ خاں جوش (بہرائچ)

بن خلش لطفِ زندگی کیا ہے
دل نہ ہو خوں تو دل لگی کیا ہے
لب لعلیں کا ہے گماں مجھے
گل کی نازک سی پنکھڑی کیا ہے
گردشوں میں ہے زندگی اس کی
ایک ساغر ہے آدمی کیا ہے
گل کھلے ہوں ... ...
پھر وہ جشنِ بہار ہی کیا ہے

نادم سیتاپوری — گذشتہ سے پیوستہ

"ماہنامہ آفتاب"

پہلی جنگ عظیم کے بعد بیش تر نئی صحافتی اصطلاحات کا آغاز مولانا ظفر علی خاں ہی کی خداداد صلاحیتوں کا رہین منت ہے۔ مقالہ افتتاحیہ، صحافت حاضرہ اور تبصرہ وغیرہ ۔۔۔۔!

"سنسنی خیز" کی صحافتی اصطلاح بھی پنجاب ہی سے آئی تھی۔ یو۔پی میں سب سے پہلے غالباً سید جالب مرحوم نے اسے اپنایا تھا۔ چنانچہ شروع شروع میں اس کا بہت ہی مضحکہ اڑایا گیا۔ ظریف لکھنوی نے بھی اس نئی اصطلاح پر چوٹ کی!

"سنسنی خیز" ہیں یہ بمبئی کے برقیات
جان لی "بادشکے" کی زلف کے سودائی نے

جولائی سنہ ۱۹۲۰ء کی فہرست مضامین درج ذیل ہے۔

۱۔ پہلی کرن (مغربی روشنی کا دور جدید)	آغا شاعر ایڈیٹر
۲۔ نصف النہار (لارڈ نارتھ کلف)	"
۳۔ بہار بے قرار	خواجہ حسن نظامی دہلوی
۴۔ تو پ	مہاراجہ جھالرا پاٹن
۵۔ زلزلہ زار اٹلی	نصیر الممالک سفیر ایران
۶۔ زمین چمن	آغا شاعر دہلوی (ایڈیٹر)

حصۂ نظم میں اکبر الٰہ آبادی، وحشت کلکتوی اور آغا اشہر لکھنوی کی غزلیں شامل ہیں۔

اگست سنہ ۱۹۲۰ء (جلد ۴ شمارہ ۴) کے مضامین میں پہلا مضمون تو آغا شاعر کا وہی مضمون (مغربی روشنی میں اردو کا دور جدید) ہے جس کی دو قسطیں گذشتہ مہینوں میں چھپ چکی تھیں۔ مہاراجہ جھالرا پاٹن کے ایک نئے مضمون "چاند" کی پہلی قسط اور خواجہ حسن نظامی و راشد الخیری کے مضامین بھی شامل ہیں۔

آغا شاعر نے اپنے مضمون "مغربی روشنی میں اردو کا دور جدید" کی اس آخری قسط میں حیدر آباد دکن کی ادبی اور لسانی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے اور حیدر آباد کی "تحریک وضع اصطلاحات" کے سلسلے میں یہ مشورہ دیا ہے کہ متروکات کو جدید زبان سے علیحدہ رکھ کر آسان ترکیبیں اور اصطلاحات اردو زبان میں شامل کی جائیں، اور نثری اسلوب نگارش کو عام فہم اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں اس طرح ڈھالا جائے کہ اردو زبان عوام سے قریب تر ہو جائے۔ اسی طرح نظم میں حقیقی جذبات، متانت، شائستگی اور فکر انگیزی کو اہمیت دی جائے اور قومی جذبات کو پوری اہمیت کے ساتھ ابھارنے کی کوشش کی جائے۔

اگست کے شمارے کے حصۂ نظم میں جاوید لکھنوی، برق دہلوی، عزیز لکھنوی، رونق دہلوی اور شیدا دہلوی کی غزلوں

سلہ عبدالقادر باوجود ممتاز ٹیم کی محبت میں گولیوں سے ہلاک کیا گیا تھا۔

کے علاوہ اکبر الٰہ آبادی کی نظم اور اسمٰعیل میرٹھی کی وہ مشہور کلاسیکی نظم (سونے کی چڑیا) بھی ہے جو ان کی ریڈروں میں شامل ہے۔

ستمبر کی فہرست مضامین مختصر بھی ہے اور کچھ بے جان بھی۔ زیادہ تر مضامین خود آغا صاحب کے لکھے ہوئے ہیں۔ "مختصر نوٹ" کے تحت ماہنامہ "کہکشاں" لاہور پر تبصرہ کیا گیا ہے جو امتیاز علی تاج کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سوانح "خواجہ غریب نواز" پر ریویو بھی، جسے کامل بک ایجنسی لاہور نے شائع کیا تھا۔ اسی شمارے میں پٹیالہ کے خلیفہ حامد حسین کی وفات پر اظہار تعزیت کیا گیا ہے جو اپنے زمانے میں پنجاب کے عمائدین میں شمار کئے جاتے تھے۔

اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کی فہرست مضامین کافی طویل، اور جاذب توجہ ہے۔

۱۔ پہلی کرن۔ برسات کی بہار اور کوہستان جھالاواڑ۔	آغا شاعر (ایڈیٹر)
۲۔ گل صد برگ	"
۳۔ جل ترنگ اور زندگی کے چند خوشگوار سانس	"
۴۔ چاند	مہاراجہ جھالرا پاٹن
۵۔ خاموش ہم نشیں	نقاش
۶۔ نصف النہار (بیوی کی عید۔ لونڈی کے ہاں ماتم)	راشد الخیری
۷۔ اردوئے معلٰی اس کا نام ہے؟	فیض الدین دہلوی
۸۔ دھوپ چھاؤں۔ چھوٹے چھوٹے نوٹ۔	حسین صدیقی
۹۔ اکبر اور نور جہاں	علامہ عباسی گورکھپوری
۱۰۔ نئے نئے مضمون نگار سبق سیکھیں؟	دلکش مراد آبادی
۱۱۔ اناج کا نرخ	"
۱۲۔ جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد کاغذ کا کپڑا	"

آغا شاعر کے مضامین میں "جل ترنگ" نہ صرف ایک دلچسپ مضمون ہے بلکہ کافی معلوماتی بھی ہے، جسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ خود آغا صاحب کو موسیقی اور اس کے مروجہ سازوں سے کتنا گہرا لگاؤ تھا مگر ان کی یہ وابستگی کچھ زیادہ حیرت انگیز بھی نہیں ہے کیونکہ ان کی زندگی کا ایک دور ہندوستان کی مشہور تھیٹریکل کمپنیوں میں گذر چکا تھا۔ آغا حشر نے ڈرامہ نگاری کی ابتدائی تربیت انھیں سے حاصل کی تھی۔ خود آغا صاحب اگرچہ آرزو لکھنوی کی طرح مشاعروں میں "تحت اللفظ" غزل پڑھتے تھے لیکن ان کی آواز ترنم کی سحر آفرینیوں سے خالی نہیں تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ کلاسیکی موسیقی کے بھی ماہر تھے۔ اس مضمون میں آغا صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"فن موسیقی کے اساتذۂ قدیم نے صرف چار قسم کے باجے ہندوستان میں ایجاد کئے اور ان کی قسمیں صرف ان چار لفظوں پر محدود کر دیں، تت، بتت، گھن اور سکھر۔ تت یعنی تار کا باجا۔ جیسے سارنگی، طاؤس،

ساز وغیرہ۔ ہتت۔ یعنی تانت کا باجا جیسے وائلن، فڈل، وڑبا وغیرہ۔ گھن وہ باجا جو چوٹ اور ٹھوکر کی ضرب سے بجایا جاتا ہے۔ مثلاً نقارہ، طبل، جھانجھ وغیرہ۔ اور سُکھر یعنی پھونک کا باجا۔ مثلاً شہنائی، بین، بانسری، الغوزہ اور جل ترنگ وغیرہ۔ مگر "جل ترنگ" ان سب سے الگ ہے اس میں نہ تار ہیں نہ تانت نہ پھونک! اس لئے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جل ترنگ ان قدیم باجوں کے بعد کی ایجاد ہے... البتہ ہر "جل ترنگ" کے لئے ساز و سامان کی کچھ ضرورت نہیں۔ تھوڑا سا پانی اور دو چھوٹی چھوٹی لکڑیاں کافی ہیں۔ چینی کے پیالوں کی تعداد جتنی ہو چاہے وسیع کر سکتے ہیں مگر ان کا صحیح اندازہ بجانے والے کی قابلیت اور اس کے دل و دماغ سے تعلق رکھتا ہے اس میں مکمل باجوں کی طرح پورے سات سُر ہیں۔"

"اناج کا نرخ" اس شدید گرانی پر ایک طنز ہے جو پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان میں پیدا ہو گئی تھی، ماضی پرستی اور ماضی پسندی انسانی فطرت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس دور کا انسان بھی اس زمانے کی شدید گرانی کے بوجھ سے کچلا جا رہا تھا اس لئے ماضی کے اوراق الٹ کر اپنے آپ کو تسکین دے لیتا تھا۔ کاش اس کی نگاہوں میں "آزاد ہندوستان" کا بھی کچھ تصور ہوتا؟ اور وہ دیکھ سکتا کہ چالیس سال بعد جب بھی ہندوستان صدیوں کی غلامی سے چھٹکارا پا جائے گا تو اس کا "معیار زندگی" اتنا بلند ہو جائے گا کہ اُسے خوراک کا مسئلہ حل کرنے کے لئے دوسرے ممالک کا سہارا لینا پڑے گا اور اجناس کی قیمتیں ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کے بعد اس طرح ایک جگہ جم کر رہ جائیں گی جیسے ہمالہ کی سر بفلک چوٹیاں! ہزاروں برس سے ایک ہی انداز میں کھڑی ہیں۔

اس مضمون میں کوئی خاص بات نہیں کہی گئی ہے وہی پُرانا دُکھڑا رو دیا گیا ہے۔

"شہنشاہ اکبر کے زمانے میں اناج کی جو حیثیت تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد سے ہو سکتا ہے۔
گندم۔ پورے پانچ آنے من، چاول آٹھ آنے من، دال مونگ پورے آٹھ آنے من، دال موٹھ پورے پانچ آنے من، باجرہ ساڑھے پانچ آنے من، نمک سوا چھ آنے من، شکر ایک روپیہ سوا چھ آنے من، پیاز ڈھائی آنے من، گھی دو روپیہ دس آنے من، تل دس آنے اور ہلدی چار آنے من۔

علاؤالدین خلجی کے زمانے میں ___!

"روپیہ کا ۲۲ سیر گھی اور تین من دودھ ملتا تھا۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی کا عہد ۱۸۵۰ء ___!

۱۸۵۰ء میں گیہوں ۳۹ سیر فی روپیہ، چنے ایک من ۱۹ سیر فی روپیہ، چاول ۱۸ سیر فی روپیہ، گھی چار سیر اور دودھ چار من روپیہ کا ملتا تھا یعنی ایک پیسہ کا اڑھائی سیر۔

ملکہ وکٹوریہ کا عہد ۱۸۹۸ء ___!

۱۸۹۸ء میں گندم ۲۵ سیر فی روپیہ، چنے ۲۸ سیر، چاول بارہ سیر، گھی دو سیر فی روپیہ اور دودھ تین پیسہ فی سیر ملتا تھا۔

۱۹۱۸ء و ۱۹۱۹ء ___!

حال سے کہ ان دونوں سال کی ہوش ربا گرانی اظہر من الشمس ہے؟ جس سے خلقت "الاماں" پکار رہی ہے! گندم روپیہ کا آٹھ سیر، چنے چھ سیر، چاول چار سیر، دال تین سیر اور گھی ساڑھے پانچ چھٹانک فی روپیہ ملتا ہے دودھ جس میں آدھا پانی چار سیر...!

اکبر کے زمانے میں خرچ خوراک پانچ آنہ ماہوار سے زیادہ نہ تھا مگر اب دس روپیہ ماہوار پر بھی آدمی کا پیٹ نہیں بھرتا"

نظم کے حصے میں پہلی ہی نظم ڈاکٹر اقبال کی "حقیقت آرائی" ہے۔ جس کا پہلا شعر ہے!

ہم نشیں افسانۂ بیداری جمہور چھیڑ
قصۂ خواب آور وسکندر و جم کب تک!

پھر آصف علی بیرسٹر، قاضی سید محمد محسن وفا سیتاپوری اور جوش ملیح آبادی وغیرہ کی غزلیں ہیں۔

پیش نظر جلد میں نومبر اور دسمبر ۱۹۲۰ء کے دو شمارے اور بھی ہیں جن کے مضامین کی فہرست کو اسی آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے جو اس سے قبل کہیں مجملاً اور کہیں تفصیل کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے، ان دونوں شماروں میں آغا شاعر کے مضامین نسبتاً سب سے زیادہ ہیں۔ مہاراجہ جھالاپاٹن کے پچھلے مضمون "چاند" کی بقیہ قسط اکتوبر میں ختم ہو گئی۔ اب نومبر سے ان کا ایک دوسرا مضمون "سب میرین" شروع ہوا جو شاید کسی انگریزی مضمون سے ماخوذ ہے۔ دسمبر ۱۹۲۰ء کے شمارے میں "خدا کے فضل سے دوبارہ زندگی پائی" کے زیر عنوان آغا صاحب نے آفتاب کے پچھلے دور کا بھی ذکر کیا ہے۔

"یعنی آفتاب اب سے دو دو علمی آشیاں ہو چکا تھا۔ کوئی اس کے نام و نشان سے بھی واقف نہ رہا تھا۔ مگر عالی جاہ شیر دل، معاون علم و ادب سرکار سری دربار مہاراج رانا آف جھالاواڑ دام اقبالہٗ نے اسے پھر دوبارہ زندگی بخشی۔ اب سے وہ حسن شان شکوہ اور وقت کی پابندی کے ساتھ برآمد ہوا۔ صدہا انصاف پسند ہستیاں اس کی گواہ ہیں، ملک نے اس کی دل سے قدر کی اور معزز طبقے میں دو ہی برس میں اپ ٹو ڈیٹ پرچہ مان لیا گیا!

پہلی مرتبہ تین سال کی جدوجہد میں بمشکل صرف تین سو خریداروں کی مستقل جماعت پیدا کی جاسکی تھی مگر یکی دفعہ اسی دس مہینے میں خدا کے فضل اور سری دربار دام اقبالہٗ کے اقبال سے "المنت اللہ" کی شان دکھاتا ہے۔"

"آفتاب" کا دوسرا دور کب تک قایم رہا، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ "آفتاب" کے تیسرے دور کا مجملاً ذکر ضرور ملتا ہے۔

"دنیائے ادب میں آغا شاعر دہلوی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، آپ عرصے سے ادبی خدمات میں مشغول ہیں۔ چنانچہ آپ کا ایک دیوان بھی شایع ہو چکا ہے۔ ہمارے لئے خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ صرف شاعر نہیں ہیں بلکہ اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے باکمال ادیب کی نگرانی میں جو ادبی خدمت بھی کی جائے گی وہ گراں قدر ہوگی۔

چنانچہ ہمارے دفتر میں "آفتاب" لاہور (جو جناب مدوح (آغا شاعر) کی نگرانی میں اردو کی شاندار خدمات انجام دے رہا ہے) ریویو کی غرض سے موصول ہوا ہے۔

رسالہ کا حجم ۴۰ صفحہ ہے۔ قیمت سالانہ مع محصول ڈاک چار روپیہ ہے۔ لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ کاغذ بھی برا نہیں ہے۔ اس گلدستہ میں نظم اور نثر دونوں چیزیں ہیں۔ مضامین زیادہ تر افسانے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شکسپیر کے مشہور تاریخی ڈرامہ "جولیس سیزر" کا فصیح ترجمہ بھی شایع ہو رہا ہے اور بھی دلچسپ مضامین ہیں۔ بعض لفظوں کی ادبی تحقیق بھی شاعر صاحب نے کی ہے۔ لیکن ہمیں یہ شکایت ضرور ہے کہ شاعر صاحب کی غزلیں غزل تو حصۂ نظم کی رونق بڑھا رہی ہے لیکن نثر میں ان کا کوئی مضمون نہیں ہے، جس کا باعث شاید ہمارے ممدوح کی کثرتِ افکار ہے۔ رسالہ مجموعی حیثیت سے اس قابل ہے کہ اس کی ہمت افزائی کی جائے۔ آگے چل کر یہ مجلہ بہت جلد اردو رسائل کی صفِ اول میں ممتاز جگہ حاصل کرے گا۔"

(ہفت روزہ سرفراز لکھنؤ، ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء

جلد ۲۔ شمارہ ۳۵)

بلا تبصرہ

[illegible]

منیجر

"آفتاب" کا یہ آخری دور تھا۔ کرتا دھرتا تو آغا صاحب ہی تھے لیکن بحیثیت ایڈیٹر ان کے شاگرد آغا منظور شرر کا نام شایع ہوتا تھا۔ اس دور کے کوئی پرچے مجھے دستیاب نہ ہو سکے!

اپنے پہلے دور میں "آفتاب" نے تین سال کی عمر پائی اور میرا خیال ہے کہ دوسرا دور بھی کم و بیش ایسا ہی رہا ہوگا۔ اس دور میں "جھالرا پاٹن" کے والی ملک کی سرپرستی نے اسے کافی چمکایا۔ ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شایع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ اور ششماہی (مع محصول ڈاک) ایک روپیہ تھا۔ ایک شمارے کی قیمت چار آنے تھی۔ جھالرا پاٹن کے علاوہ دوسری دیسی ریاستوں سے بھی اسے مالی امداد ملا کرتی تھی اور خریداروں کا حلقہ بھی کافی وسیع تھا۔

آغا شاعر اپنے دوسرے دہلوی معاصرین کی طرح بامحاورہ سلیس اردو لکھنے میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے، اور اسی کے ساتھ ساتھ انھیں لغات پر اچھا خاصا عبور بھی تھا۔ نظم کے میدان میں وہ ایک کامیاب غزل گو ہی نہیں تھے بلکہ ایک اچھے مرثیہ گو ــ اور صاحب طرز تحت اللفظ خواں بھی تھے۔ مرثیہ میں ان کا طرز خواندگی لکھنؤ اور سیتاپور سے کافی متاثر تھا۔ "رزم" ان کا خاص موضوع تھا اور یہ رنگ انھوں نے فردوسیِ ہند فارغ سیتاپوری (تلمیذ میر انیس) کے شاندار رزمیہ مرثیوں سے حاصل کیا تھا۔ حیدرآباد دکن، پنجاب، دہلی اور یوپی کے مختلف مقامات پر انھوں نے دس دس ہزار کے مجمع میں اپنے رزمیہ مراثی پڑھ کر ایک زمانے میں اچھی خاصی دھوم مچا دی تھی۔

قومی تحفظ سے متعلق غزلوں، نظموں اور گیتوں کا
سب سے زیادہ معیاری انتخاب

نذرِ وطن

مرتبہ: داور آفریدی

شرکاء بزم

انور صابری، اعجاز صدیقی، جگن ناتھ آزاد، جاں نثار اختر، سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، سلام مچھلی شہری، سکندر علی وجد، شکیل بدایونی، شفا گوالیاری، ظفر گورکھپوری، قمر مرادآبادی، گوپال متل، مجروح سلطانپوری، منشاء الرحمٰن خاں منشا، مخمور سعیدی، نازش پرتاب گڑھی، نریش کمار شاد اور دوسرے شعراء۔

کتابت، طباعت معیاری، کاغذ گلیزڈ، شاندار گیٹ اپ، صفحات ۱۱۲۔ قیمت صرف ۱ روپیہ

پبلشرز

علوی بک ڈپو۔ محمد علی روڈ۔ بمبئی ۳

حیدرآباد میں یوم ظفر

۷ و ۸ دسمبر کو حیدرآباد میں ہندوستان کی تحریک آزادی کے اولین رہنما بہادر شاہ ظفر کی صد سالہ یادگاری تقریب ادارۂ ادبیات اُردو کے زیر اہتمام ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ، انجمن ترقی اُردو، ہندی پرچار سبھا، ساہتیہ اکاڈمی (آندھرا پردیش)، اُردو مجلس اور موتی لال نہرو نیشنل یوتھ سنٹر کے تعاون سے رویندرا بھارتی تھیٹر میں منائی گئی۔ پروفیسر ہمایوں کبیر نے تقریب کی صدارت فرمائی۔

اتر پردیش کے سابق گورنر ڈاکٹر بی رام کشن راؤ (ایم پی) نے خطبۂ استقبالیہ پڑھتے ہوئے اس تقریب کی وضاحت فرمائی اور کہا کہ "ہماری کوشش یہ ہے کہ اس جانباز وطن کی ایک دوامی یادگار قائم کی جائے، اور بہادر شاہ ظفر اسکالرشپ کے نام سے ریاست کے مستحق طالب علموں کو وظیفہ دیا جائے۔" بہادر شاہ ظفر کو خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے ڈاکٹر بی کشن راؤ نے کہا کہ "ہم یہاں ہندوستان کے ایک ایسے مایۂ ناز سپوت کی صد سالہ یادگاری تقریب منانے کے لئے جمع ہیں جس نے اس سرزمین کو ایک جابر سامراجی طاقت سے آزاد کرانے کے لئے اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کی بے مثال قربانیاں دیں اور قومی اتحاد و یکجہتی اور حب الوطنی کی مستحکم بنیادیں قائم کر دیں۔ اس تقریب سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ملک کے نوجوانوں میں ایثار اور قربانی کا پرخلوص جذبہ پیدا کیا جائے۔"

ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ معتمد ادارۂ ادبیات اُردو نے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد، صدر کانگریس ڈی سنجیویا، شریمتی وجے لکشمی پنڈت گورنر مہاراشٹر، ڈاکٹر بی گوپال ریڈی مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات اور دوسرے حضرات کے پیغامات سنائے، جو اس تقریب کے سلسلے میں موصول ہوئے تھے۔

پیغامات کے بعد پروفیسر قاسم علی سجن لال نے اپنا انگریزی مقالہ پیش کیا۔ جس میں مستند حوالوں کے ساتھ بہادر شاہ ظفر کے عہد کی تاریخ بیان کی گئی تھی۔ مقالے کے بعد فضل الرحمن سابق ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد نے ظفر کو منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ پنڈت ونشی دھر ودیالنکار نے اس بادشاہ شاعر کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ "ظفر نے اُردو شاعرہ کی جو سلطنت قائم کی ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گی اور کوئی بھی ان کا یہ تخت و تاج ان سے نہ چھین سکے گا۔" پنڈت ونشی دھر نے اپنی عالمانہ تقریر میں کہا کہ "ظفر کا کلام ہندی میں بھی بے حد مقبول ہے اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔"

پروفیسر ہمایوں کبیر نے اپنی عالمانہ صدارتی تقریر میں بہادر شاہ ظفر کی حیات اور شاعری پر بصیرت افروز تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "اس عظیم محب وطن کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حب وطن کی جو شمع ظفر نے روشن کی تھی اس سے ہم اپنے دلوں کو منور کریں اور جنگ آزادی کی المناک ناکامی سے سبق لیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ محض عظمت رفتہ کا ماتم اور وقت کے تقاضوں سے روگردانی قوموں کے زوال کا سبب بنی ہے۔ آج ہمیں پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی مہلت نہیں۔ حال اور مستقبل کے بارے میں سوچنا ہے۔ البتہ ہم ماضی کے تجربوں سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔" پروفیسر ہمایوں کبیر نے چین کے جارحانہ حملے سے پیدا شدہ حالات کا براہ راست ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "سو سال پہلے جو غلطیاں سرزد ہوئیں اور جس کے نتیجے میں ہمارا ملک غلام ہوا آج نہیں دہرائی جا سکتیں۔ ہمیں نظم و ضبط کا خوگر بننا اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ پورے عزم و ارادے سے اپنی آزادی کی حفاظت کرنا ہے۔"

دوسرے دن، ۸ دسمبر کو ادارۂ ادبیات اُردو کے دفتر "ایوان اُردو" میں ریاستی وزیر تعمیرات نواب میر احمد علی خاں صاحب کی صدارت میں طرحی مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ "ایوان اُردو" باذوق سامعین اور شعرا صاحبان سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ معتمد استقبالیہ یوم ظفر نواب میر سراج الدین علی خاں نے معتمد مشاعرہ کے فرائض انجام دیے۔ اس مشاعرے کا آغاز ظفر کی غزل سے ہوا جسے صلاح الدین نیر نے ترنم سے سنایا۔ حیدرآباد کے قدیم و جدید دبستان سخن کے تیس ۳۰ شعرا صاحبان نے طرحی کلام پیش کیا۔ مشاعرے کی طرح تھی:

"عشق میں میری طرح سوختہ جاں ہو جانا" (ظفر)

۸ دسمبر کو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد نے دو روزہ یوم ظفر کی ریڈیائی رپورٹ نشر کی اور اس موقع پر ملک کے اور مقامی اخبارات نے اپنے کالموں میں بہادر شاہ ظفر کے تعلق سے باتصویر مضامین نظم و نثر شائع کر کے صحافتی تعاون کا ثبوت دیا۔ (وقار خلیل)

ہند چین دوستی کی تمام یادگار تحریریں منسوخ کی جائیں

اُردو کے مشہور ترقی پسند شاعر ساحر لدھیانوی اور جاں نثار اختر نے ایک مشترکہ اعلامیہ میں کہا ہے کہ چین کے جارحانہ اقدام نے نہ صرف ہماری حب الوطنی اور قومی غیرت کو للکارا ہے بلکہ ان خوش فہمیوں کا بھی پوری طرح خاتمہ کر دیا ہے جو ہماری نسل کے بیشتر ادیبوں اور شاعروں کو چینی اشتراکیت کے بارے میں تھیں۔ ہماری حکومت نے چینی حکومت کی طرف جو دوستانہ ہاتھ بڑھایا تھا اور ہمارے عوام نے جو "ہندی چینی بھائی بھائی" کے نعرے لگائے تھے آج وہ حرف غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ ہم چین کو نہ صرف اپنے ملک کا دشمن تصور کرتے ہیں بلکہ ایشیائی اور عالمی امن کیلئے بھی ایک زبردست خطرہ سمجھتے ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہم تمام ادیبوں اور شاعروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی ان تمام تحریروں کو منسوخ اور مسترد کرنے کا اعلان کریں جو چینی اقتدار کے سواگت، چینی وفدوں کے استقبال اور چینی ہندی دوستی کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تحریروں میں پوری شدت سے قومی بچاؤ کے محاذ کو تقویت دیں اور اپنی تمام فنی و ادبی صلاحیتوں کو، پنے محبوب رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے وقف کر دیں۔ (مشاعر۔ بمبئی)

مراسلہ

تلفظ اور املا کے متعلق چند تصریحات

۱۔ یکم ستمبر ۱۹۶۲ء کے ہماری زبان میں جن پھنپھروی صاحب رقم طراز ہیں کہ اگر کھیت اور بیل کو ترقی اُردو بورڈ اور رقم الحروف کی تجاویز کے مطابق لکھا جائے تو عملاً چونکہ اعراب کا استعمال نہیں ہوتا اس لئے کھیت کو खपत اور खियत اور بیل کو बेल یا बपल بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ان کی بجائے وہ نقطوں کی متنوع شکلیں تجویز کرتے ہیں (..) (—) (^) مجھے اندیشہ ہے کہ اگر عملاً اعراب کا اظہار نہیں ہوگا تو نقطوں کی ان نقاشیوں کا تو اور بھی کم امکان ہے۔ اس کے علاوہ ہماری مجوزہ علامات میں ایک علامت جزم کی بھی ہے۔ ہم نے اس کے وجود سے انکار نہیں کیا۔ مبتدیوں کے لئے درسی کتابیں لکھی جائیں گی تو ان میں حرکات کے علاوہ سکون کی علامت بھی درج کی جائے گی۔ اس لئے پھنپھروی صاحب کا اندیشہ بجا نہیں۔ عام پڑھے لکھوں کے لئے اعراب کا استعمال نہیں ہوگا۔ چونکہ یہ طبقہ खेत اور बपल جیسا نامعقول تلفظ ہرگز نہ کرے گا اعراب میں اصلاح کی تجاویز انہیں تحریروں کے متعلق ہیں جہاں عملاً تمام اعراب کا استعمال کیا جائے۔

۲۔ ۲۲ نومبر ۱۹۶۲ء کے ہماری زبان میں پھنپھروی صاحب کا دعویٰ ہے:۔

"محنت کا मिहनत بہتر کا बिहतर۔ سہرا کا सिहरा۔ محسن کا मुहसिन اور کہرام کا कहराम تلفظ ہی سائنٹفک اور اعراب کے مطابق ہے اور بقیہ تمام علاقائی مجبوریاں اور عوام کی بھول بھلیاں ہیں۔"

ان کا یہ بھی فرمانا ہے کہ بہار میں لوگ ان الفاظ کا یہی تلفظ کرتے ہیں۔ محنت کو خفیف اِے (یا زیر مجہول) سے اور کہرام کو خفیف اُو (یا پیش مجہول) سے شاید دوسرے علاقوں کے چند پڑھے لکھے خواص ہی بولتے ہوں۔

ادب کے ساتھ عرض ہے:۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

میں نے محنت اور کہرام کے اسی تلفظ کی طرف اشارہ کیا ہے جو عام طور سے بولنے اور سننے میں آتا ہے۔ میں نے کسی پڑھے لکھے (یا بے پڑھے) آدمی کی زبان سے कहराम اور मिहनत نہیں سُنا۔ مجھ پر علاقائی تعصب کا الزام نہ دیجئے اگر میں لسانیات کا یہ اصول پیش کردوں کہ ہر زبان کی معیاری شکل کسی ایک خطے کی بولی پر مبنی ہوتی ہے۔ معیاری اردو کھڑی بولی پر مبنی ہے کھڑی بولی بہار کی بولی نہیں۔ بہار کا تلفظ اگر واقعی وہ ہے جو پھنپھروی صاحب کی کتابت سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ علاقائی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ زبان کے معاملے میں نہ کوئی علاقائی مجبوری ہوتی ہے نہ عوام کی بھول۔ یہ بے معنی فقرے ہیں۔ بولیوں کا اختلافی تلفظ اسی قدر صحیح ہے جس قدر معیاری زبان کا تلفظ۔ نہ ایک سائنٹفک ہے نہ دوسرا غیر سائنٹفک۔ اختلافِ تلفظ زبان کی تبدیلی کا مظاہرہ ہے غلطی کا نہیں۔ کلاسکی مزاج کے حضرات زبان کے جس تلفظ کو غلطی قرار دیتے ہیں لسانیات اسے محض صوتی تبدیلی کہتی ہے۔

۳۔ اسی مضمون میں پھنپھروی صاحب خفیف اِے۔ خفیف اُے اور خفیف اُو کے مجوزہ اعراب پر بڑی دل سوزی سے ملتجی ہیں کہ "اللہ کے لئے اب اُردو میں اور مزید پیچیدگی پیدا نہ کیجئے۔" آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن دو نقطوں کے بارے میں بھانت بھانت کی کتابت تو رسم الخط کو بہت قابلِ عمل اور سہل بنائے گی! پیچیدگی سے بچنے کا سب سے آسان نسخہ یہ ہے کہ رسم الخط میں اصلاح کا ذکر ہی نہ چھیڑیے۔

میں اس موضوع پر مزید قلم نہ اٹھانا چاہتا تھا کیونکہ رسم الخط کی اصلاح کی باتیں محض کاغذی اور ہوائی ہیں۔ ان پر عمل کی تو کوئی توقع نہیں۔ پھر کیا ہے کو آپس میں تکرار اور سر پھٹول کی جائے لیکن جب بعض حضرات मुहसिन اور सिहरा کو صحیح تلفظ قرار دینے لگیں تو سکوت ایک مغالطے کی ترویج میں شرکت کے مترادف ہوگا۔ ان سے گزارش ہے:۔

تمہاری بزم کے باہر بھی ایک دنیا ہے
مرے حضور بڑا جرم ہے یہ بے خبری
(تاج بھوپالی)

انجمن ترقی اُردو نے گزشتہ سال رسم الخط کی اصلاح کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی۔ میں نے اپنی تجاویز کمیٹی کو لکھ بھیجیں۔ کمیٹی کا جو فیصلہ ہوگا میں اس پر آمنّا اور صدّقنا کہوں گا۔

۴۔ ۱۷ جنوری ۱۹۶۳ء کے ہماری زبان میں "اُردو ٹائپ لغت" کے عنوان سے جناب دور آفریدی کا مراسلہ شائع ہوا ہے۔ موصوف کو میرے ایک بیان کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے جملے "موخر الذکر رسم الخط رومن رسم الخط پر ہی مبنی ہے" میں موخر الذکر سے مراد بین الاقوامی صوتیاتی خط ہے دستوری صاحب کا مجوزہ خط نہیں۔ صوتیاتی خط رومن ہی پر مبنی ہے۔

(گیان چند)

ضروری اعلان:۔ براہِ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ منیجر

بقیہ

تذکرہ سرور

یعنی قاسم کے تذکرہ کے وقت ذوق شاہ نصیر کے شاگرد ہو چکے تھے، حافظ شوق خود بھی شاہ نصیر کے شاگرد تھے، آزاد کا بیان ہے کہ ذوق پہلے شوق کے شاگرد ہوئے پھر شاہ نصیر کے" اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے اس لحاظ سے سرور کی مذکورہ عبارت تذکرہ قاسم سے پہلے کی بھی جا سکتی ہے۔ مجموعہ نغز میں ذوق کے جو اشعار ہیں وہ عمدہ منتخبہ میں نہیں ہیں اس کا سبب غالباً یہ ہوا کہ قاسم خود اپنے گھر پر مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے۔ (عمدہ منتخبہ صفحہ ۱۱) ان میں سے کسی مشاعرہ میں ذوق نے جو اشعار پڑھے تھے اور قاسم کو یاد تھے انھوں نے اپنے تذکرہ میں درج کر دئے۔ ضروری بھی نہ تھا کہ وہ تذکرہ سرور سے اس سلسلے میں مدد لیتے۔

ذوق کی غزل گوئی کے متعلق سرور کے دو بیانات ملتے ہیں:

"در غزل گوئی ممتاز ہست" (تذکرہ سرور صفحہ ۲۸۲)

"فی زماننا در عرصۂ سخنوری یکتا ہست"

(سید سیارہ بحوالہ مقدمہ تذکرہ سرور صفحہ ۱)

یہ دونوں بیانات اس زمانے کے ہو سکتے ہیں جب ذوق ابتدائی مدارج طے کر کے استادوں کے زمرے میں شمار ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ زیر نظر جملہ سرور نے بعد میں اضافہ کیا ہوگا۔ ان بیانات سے ذوق کے متعلق ایک اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کم از کم سنہ ۱۲۳۶ھ تک ان کو خاقانی ہند کا خطاب نہیں ملا تھا، ورنہ سرور اس کا ذکر ضرور کرتے، اس طرح آزاد کے اس بیان کی کہ ذوق کو ۱۹ برس کی عمر میں یہ خطاب ملا تردید ہو جاتی ہے۔ (آب حیات)

حافظ شوق اور ذوق کی عمروں میں تقریباً دو سال کا فرق ہے (بقول صاحب گلستان سخن شوق سنہ ۱۲۷۰ھ میں ستر سال کے تھے اور ذوق کی پیدائش دلی اردو اخبار کے بموجب سنہ ۱۲۰۳ھ کی ہے) اور شوق کے لئے سرور لکھتے ہیں:

"خود نے ست سپاہی وضع شاگرد میاں نصیر" (صفحہ ...)

جب کہ ذوق کو ان ہی نے "جوان" کہا اور شوق کا شاگرد لکھا۔ اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سرور نے ذوق کا ذکر لکھنے سے بہت پہلے شوق کا ذکر لکھا، معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۱۶ھ میں جب سرور نے اپنا تذکرہ مکمل کیا شوق کا ذکر لکھ لیا ہوگا۔ سنہ ۱۲۱۹ھ کے قریب ذوق کے حالات لکھے اور بہت بعد تک اس میں اضافے کئے۔

سرور نے شاہ نصیر کے متعدد تلامذہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ خوب چند ذکا کے سلسلۂ حالات میں یہ فقرہ بہت اہم ہے:

"از چندے طبعش از گلشن شعر اخوشہ می ربود...

مشارٌ الیہ یک تذکرۃ الشعرا تالیف کردہ ... از دست

نقش پا خاک گیتی نے بنایا ہم کو

جس کے قدموں سے لگے اس نے مٹایا ہم کو" (صفحہ ...)

ذکا شاہ نصیر کے ساتھ معرکے کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے رہے، شاعری انھوں نے آخر عمر میں ہی ترک کی ہوگی مطلع مذکور کی زمین میں ذوق کا مقطع مشہور ہے۔

ذوق بازی گر طفلاں ہے سراسر یہ زمیں

ساتھ لڑکوں کے پڑا کھیلنا گویا ہم کو

یہ مقطع بھی بتاتا ہے کہ اس زمین میں کوئی معرکے کا مشاعرہ ہوا تھا اس پر آزاد کی شہادت بھی موجود ہے (دیوان ذوق) یہ معرکہ ۱۲۴۰ھ کے قریب کسی زمانے کا ہونا چاہیئے (اس زمانے کے ایک معرکے کے مشاعرہ کے زمانے کا تعین میں نے اپنے مضمون "شاہ نصیر لکھنؤ میں" مطبوعہ نگار پاکستان نومبر سنہ ۱۹۶۲ء میں کیا ہے)، ذکا کے تذکرہ کے متعلق گارساں لکھتا ہے:

"عیار الشعرا... سنہ تالیف سنہ ۱۲۳۳ھ یا غالباً سنہ ۱۲۲۰ھ سے سنہ ۱۲۳۳ھ تک سمجھنا چاہیئے... اپنے استاد... کی فرمائش پر تیرہ سال اس کے لکھنے میں صرف کئے"

(خطبات گارساں اردو صفحہ ۹)

عیار الشعرا کے اس طویل زمانۂ تالیف سے البتہ تذکرہ سرور کی عبارت مذکور کے زمانے کا تعین نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ یہ دریافت کرنا کہ سرور کے پیش نظر عیار الشعرا کا جو نسخہ ہوگا کس سال کا لکھا ہوگا انتہائی دشوار ہے۔

تذکرہ سرور کے زمانۂ تالیف کے سلسلے میں سرور کے سلسلے میں سرور کا بیان خاص توجہ کا مستحق ہے:

"از حسن اتفاق در سنہ بیست و سہ جلوس قبلۂ عالم ظل الٰہی جہاں (کذا) میرزا محمد اکبر شاہ غازی اللہ ملکہ و سلطنتہ ... مرتب طرازی حاصل نمودہ" (صفحہ ۲۲۰)

اکبر شاہ کا تیئیسواں سال جلوس سنہ ۱۲۴۳ھ کے مطابق ہے۔ اس طرح یہ امر یقینی ہے کہ عمدۂ منتخبہ میں کم از کم اس سال تک اضافہ کا سلسلہ جاری رہا۔ اور جو تذکرہ سنہ ۱۲۴۳ھ تک زیر تالیف رہا اسکی کتابت سنہ ۱۲۳۴ھ میں ہو چکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تعجب ہے کہ خواجہ صاحب نے اس نامکمل ترقیمہ پر (جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے) اعتماد کر کے اس نسخہ کو اس قدر قدیم کس طرح مان لیا۔ بہر حال یہ تذکرہ اپنی ضخامت اور زمانۂ تالیف کی وسعت کے لحاظ سے نہایت اہم ہے، البتہ اس سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کے لئے اس کا ایک تحقیقی مطالعہ بہت ضروری ہے۔

اردو کی ایک نئی کتاب

ہندستانی قصوں سے ماخوذ

اردو مثنویاں

از ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

سائز ۲۰×۳۰/۱۶　　صفحات ۲۸۶　　قیمت چھ روپے

پتہ:- انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

ایڈیٹر کی ڈاک

اُردو ٹائپ

علمائے لسانی انسٹی ٹیوٹ (پال گرافک انسٹی ٹیوٹ ماسکو) میں جاکر اُردو کے حروفِ نستعلیق کے تمام جوڑ اور شیپس دیکھے کل ۴۳۰ علامات ہیں۔ ہر ایک حرف کی ابتدائی وسطی اور آخری شکلیں ملاکر اوسط ۴ جوڑ فی علامت ہوتا ہے یعنی جو کیس بکس اُردو نستعلیق ٹائپ کا تیار ہوگا اس میں کم از کم ۴۳۰ × ۴ = ۱۷۲۰ خانے ہوں گے۔ یہ تعداد نسخ ٹائپ دوگنی بیٹھتی ہے اور اس کا مونو یا لائن ٹائپ تیار ہونا بے حد دشوار ہے۔ ہاتھوں کی محنت اور وقت محنت نسخے کے مقابلے میں بھی دوگنے سے زیادہ ہوگا۔ فی الحال نسخ کا رواج اس لئے عام نہیں ہے لہٰذا خرچ یا لاگت بھی اسی حساب سے بڑھ جائے گی فی الحال نسخے کے مقابلے میں بھی دوگنے سے زیادہ ہوگا۔ لیتھو اس کے مقابلے میں سستا پڑتا ہے۔ اب اگر کوشش کرکے نستعلیق کا یہ حسین ٹائپ تیار بھی کرا لیا جائے تو اس کا چلن ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔

میری آرزو پر تو پانی پڑ گیا ایسا لگتا ہے کہ اُردو کا یہ نوک پلک والا اہم خط طباعت و اشاعت کی ترقی کے جدید زمانے میں اپنی موت کی گھڑیاں گن رہا ہے اور ہماری نسل غالباً آخری ہے جو اس کا ماتم کرنے کو باقی رہ جائے گی۔ نائلون، ڈیکرون، کپڑوں اور عاشنان جیسے سینتھٹک پائدار اور دیدہ زیب لباسوں کے سامنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چلمن اور اس چلمن پر پلنے والے محلے اور خاندان تباہ ہورہے ہیں۔ یہ ہماری آنکھوں کے سامنے کی بات ہے اب آگے کون سی اُردو کی ترقی کا نام لیں؟

اب تک جو کام حیدرآباد میں، یا دوسرے مقامات پر اُردو نستعلیق کے سلسلے میں ہوا ہے، اگر آپ اس کا سُراغ یا تفصیل اس انسٹی ٹیوٹ تک بھجوا سکیں اور اس سے کچھ مدد ملنے کی موہوم سی امید ہو تو بھجوا دیجئے۔ ورنہ یہ پلان بھی یونہی پڑا رہ جائے گا۔ کم از کم اُن لوگوں کے پتے جنھوں نے اُردو نستعلیق ٹائپ کے متعلق کچھ کام یا تجربہ کیا ہو تاکہ ان سے خط و کتابت کی جا سکے۔ یہ جملہ اس لئے قلم سے نکلا کہ میں نے حال میں وہ پمفلٹ پڑھا جو کسی محمد امین عباسی نے آپ کے جواب میں لکھا ہے یہ کارڈ اس کی علامت ہے کہ آجکل چند روز کے لئے لینن گراڈ میں ہوں۔ دراصل لینن گراڈ کے نزدیک اس شاہی محل میں مقیم ہوں جہاں پشکن نے تعلیم پائی جہاں وہ سرکاری درباری ملازم کی طرح کچھ عرصہ مقیم رہا۔ جہاں اس کا گھر ہے اور جہاں زندگی بسر کرنے کی آرزو میں وہ مر گیا اب اس بستی کا نام "پشکن" ہے۔ میں اس شاعر پر چپ چاپ کام کر رہا ہوں۔ جب میرا کام مکمل ہو جائے گا تو اسے کتاب کا کفن پہنانے کے لئے ایک پبلشر کے پاس (ہندوستان میں) لے پھروں گا۔ دیکھئے کیا نتائج امکانات ہیں۔ غالبؔ کا مضمون آپ کے پاس محفوظ ہے، آج میں اُردو ادب کے لئے آپ کو دے آیا تھا؟

قمر انصاری (ماسکو)

نوٹ ادارہ:-

حیدرآباد میں نستعلیق پر جو کام ہوا تھا اگر کسی صاحب کو اس کی تفصیل معلوم ہو تو از راہ کرم ہماری زبان کو اطلاع دیں۔

انجمن کے نام

"نئے سال کا تحفہ" ملا۔ شکریہ۔ دعا گو ہوں کہ انجمن اسی طرح اُردو کا تحفظ اور اس کی پرورش کرتی رہے اور ہر طوفان بلا کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرے۔ آمین۔

تمام رنج و محن تیرے دور ہو جائیں
فضائے رفتہ کی آغوش میں وہ سو جائیں
کبھی نہ تیرے قدم عزم پر نکھار آئے
خدا کرے ترے گلشن پہ بھی بہار آئے

(اسرار اکبرآبادی)

ہنگامی حالات اور ہمارے شعرا

تسلیمات و نیاز۔ نئے سال کے تہنیت کارڈ کا شکریہ۔ میری طرف سے بھی نئے سال کی مبارک باد قبول فرمایئے۔

'ہماری زبان' کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ مسعود اختر جمال کی نظم ہنگامی حالات کے تعلق سے کافی اچھی ہے ورنہ اس موضوع پر ہمارے بڑے اور مشہور شعرا نے بالعموم بڑی مایوس کن چیزیں پیش کی ہیں جو کسی نہج سے ان کے فکر و فن کی عظمتوں کے شایانِ شان نہیں۔ ایسے مواقع پر ہمارے اہل فن اتنا سطحی اور رسمی انداز کیوں اختیار کرتے ہیں، یہ ادب کا ایک قابل غور مسئلہ ہے۔ (سید حرمت الاکرام)

انجمن کی نئی مطبوعات

کلیات شاہی۔ مرتب، مبارز الدین رفعت۔ اس کتاب میں بیجاپور کے آخری سلطان عادل شاہ ثانی شاہی کا دکنی ہندی اور فارسی کلام پیش کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ کلام مقدمہ، حواشی اور فرہنگ کے ساتھ ہے۔ اس میں تین تصویریں بھی شامل ہیں۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶، ۲۳۶ صفحات۔ قیمت تین روپے۔

فن تحریر کی تاریخ۔ مصنف، محمد اسحاق صدیقی۔ اس کتاب میں فن تحریر کا نشو و ارتقا اور اس کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس میں تحریر سے متعلق ۲۱۱ شکلیں اور نقشہ جات وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے ملکوں کے رسم خط سے متعلق بھی بڑی عمدہ معلومات پیش کی گئی ہیں۔ یہ اُردو زبان میں فن تحریر پر پہلی کتاب ہے۔ ۱۸×۲۲ سائز کے ۲۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۵۰ء۷

فرانسیسی ادب۔ مصنف، ڈاکٹر یوسف حسین خاں۔ اُردو زبان میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ اس میں فرانسیسی ادب کی خصوصیات اور اس زبان کے ہر دور کے نامور مصنفین کی تخلیقات کا تجزیہ دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب ۱۸×۲۲ سائز کے ۵۹۲ صفحات پر خوبصورت چھپی ہے۔ قیمت تیرہ روپے۔

انجمن ترقی اُردو ہند۔ علی گڑھ

مالک انجمن ترقی اُردو علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر نصیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا